اسلامی معاشی ماڈل کے خدوخال

پروفیسر خورشید احمد/ ترجمہ: میاں محمد اکرم

اس وقت دنیا میں ہر پانچواں انسان مسلمان ہے۔ آج دنیا میں ایک ارب ۳۰ کروڑ سے زائد مسلمان بستے ہیں۔ ان میں سے ۹۰ کروڑ مسلمان ۵۷ مسلم مملکتوں اور ۴۰ کروڑ باقی دنیا کے ایک سو سے زائد ممالک میں رہتے ہیں۔ وسط ایشیا سے لے کر جنوب مشرقی ایشیا تک اور براعظم افریقہ کے بڑے حصّے پر مسلم آبادیوں کا ارتکاز ہے، تاہم مسلمان دنیا کے ہر حصّے میں موجود ہیں۔ یورپ میں مسلمانوں کی تعداد ۳ کروڑ سے زائد اور شمالی امریکا میں ۷۰ لاکھ ہے۔ یورپ اور امریکا میں اسلام دوسرا بڑا مذہب ہے۔ ۵۷ مسلم ممالک دنیا کے ۲۳ فی صد رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ دنیا کے اہم ترین بری، بحری اور فضائی راستے مسلم دنیا ہی سے گزرتے ہیں۔ مسلم دنیا اور باقی دنیا کا ایک دوسرے پر کافی انحصار ہے۔ مسلم ممالک میں وسائل کی فراوانی ہے لیکن وہ معاشی، اور صنعتی ترقی میں پس ماندہ ہیں۔ ان کے پاس بہت زیادہ مالیاتی وسائل ہیں لیکن ٹکنالوجی، انتظامیات اور پیداوار و ترقی کے جدید طریقوں کے استعمال میں وہ پیچھے ہیں۔ مسلم ممالک کی باہمی تجارت ۱۳ فی صد ہے، جب کہ ۸۷ فی صد تجارت بقیہ دنیا کے ساتھ ہوتی ہے۔ زیادہ تر مسلم ممالک ترقی پذیر دنیا سے تعلّق رکھتے ہیں۔ ترقیاتی حوالے سے ۵ کا تعلّق اعلیٰ ۲۵ کا تعلّق وسط سے ہے، جب کہ بقیہ ممالک کا تعلّق نچلے گروہ سے ہے۔[۱]

مسلم دنیا کئی صدیوں تک تسلیم شدہ عالم گیر معاشی قوت کی حیثیت سے غالب رہی۔ معاشرتی برتری اور ٹکنالوجی میں ترقی صدیوں تک مسلم ممالک کا امتیازی نشان رہا ہے۔[۲] البتہ

گذشتہ ۳۰۰ برسوں میں معاشی زوال ہوا ہے اور ان کی معاشی طاقت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ مسلم دنیا کے لیے سیاسی اور معاشی طور پر دوبارہ سنبھلنے کا تصور موجودہ دور میں برسرِ کار رہا ہے۔ اس بات کا جائزہ لینے کے لیے بہت سا تنقیدی و فکری کام ہوا ہے کہ کیا خرابی پیدا ہوئی؟ اور مسلم دنیا کیسے دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کرسکتی ہے؟ اس مناسبت سے اپنی اخلاقی اور نظریاتی ساکھ اور بنیاد کی تلاش اس جدوجہد کا ایک حصّہ ہے۔[۳]

اسلام ایک آفاقی دین ہے اور امت مسلمہ ایک عالم گیر برادری ہے۔ ایمان اس کی بنیاد ہے، اور یہی ایمان مسلم امہ کی عالم گیر حیثیت کا تعیّن کرتا ہے۔ یہی توحید کائنات کی، انسانیت کی اور زندگی کی وحدت (Unity) اور قانون کے آفاقی ہونے پر دلیل ہے۔ اسلام کسی خاص قوم، لسانی یا علاقائی نسلی گروہ یا کسی خاص سماجی و معاشی طبقے کا دین نہیں ہے۔ اسی طرح اسلام ایک نیا دین پیش کرنے کا دعوے دار نہیں ہے، بلکہ اس کے مطابق یہ رہنمائی ہے جو خالق نے اپنے انبیا علیہم السلام کے ذریعے تخلیق انسان کے اول روز سے بہم پہنچائی ہے۔ تمام انبیا علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کا مذہب (دین) اسلام ہی تھا۔

مسلمان حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام کے لغوی معنی 'امن' اور 'سلامتی' کے ہیں۔ یہ اللہ کے واحد معبُود ہونے اور اس کی بندگی کرنے اور اس کے انبیاؑ پر ایمان لانے کا داعی ہے، جن کی زندگی اعلیٰ ترین نمونہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایت کے مطابق انسان کی مکمل سپردگی اور پیروی کا نام ہے۔ اسی طرح شریعت کچھ اقدار، اخلاقیات اور قوانین کے مجموعے کا نام ہے جو اسلامی طرزِ زندگی کی تشکیل کرتی ہے۔

اسلام، ہر فرد کے اختیار کی آزادی پر یقین رکھتا ہے۔ عقیدہ و مذہب کے معاملے میں کسی زور زبردستی کی اجازت نہیں دیتا۔[۴] یہ انسانیت کے لیے ثقافتی لحاظ سے اور حقیقی طور پر تکثیریت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کرنا اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ اسلام، انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں: ایمان، عبادت، شخصیت اور کردار، فرد اور معاشرہ، معیشت اور معاشرت، قومی اور بین الاقوامی معاملات سے متعلّق ہے۔ پھر اسلام غیر مذہبی معاملات

کہنے کا اختیار تو انسانوں کو حاصل ہے لیکن یہ اختیار نہ اس عقیدے کے مخالفین کو حاصل ہے اور نہ اس کے ماننے والوں کو کہ وہ اس عقیدہ کی تشریح و تعبیر اس کے اصل مراجع سے ہٹ کر کریں۔ جذبات انسانی کا احترام بجا مگر حق کا احترام اس سے بڑی چیز ہے اور حق کے احترام کی بات کرنا، باطل کے خلاف دعوت و تبلیغ کرنا، رواداری کے خلاف نہیں۔ البتہ یہ رواداری کے خلاف ہے کہ تلوار کے زور پر لوگوں سے کلمہ پڑھوایا جائے۔

اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ حسنِ سلوک، نرمی اور رواداری انسانوں کے ساتھ کرنے کا ہمیں حکم ہے: وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ ۲:۸۳) ''لوگوں سے بھلی بات کہنا''، چاہے وہ باطل پر ہی کیوں نہ ہوں لیکن خود باطل نظریات کسی رواداری کا استحقاق نہیں رکھتے کیونکہ ان سے رواداری حق کی بھینٹ دیے بغیر ممکن نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مقابلہ تو حق و باطل پر مبنی نظریات و رجحانات کے درمیان ہوگا لیکن اس کو بہرحال انسانی قلوب و اذہان میں برپا ہونا ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ حق و باطل کی اس مڈبھیڑ میں اس سرزمین کا نقصان کم سے کم ہو، اور انسانی جذبات کم سے کم برانگیختہ ہوں۔ جیسے ایک ڈاکٹر کی اصل جنگ مرض کے خلاف ہوتی ہے۔ یہ جنگ اسے مریض کے جسم کے حساس اعضا کے درمیان لڑنا ہوتی ہے۔ وہ کم سے کم نقصان اور زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ محض کسی اذیت کے خوف سے مریض کا علاج ترک نہیں کر دیتا۔ گویا کوئی معاملہ بھی، جس میں اللہ اور رسولؐ نے کسی بات کا فیصلہ کر دیا ہو، اس میں کسی گروہ کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا اسلام کے نزدیک رواداری نہیں۔ البتہ ایسی بات یا موضوع جسے دین نے مباح رکھا ہو یا جس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہو، اس میں لوگوں کے رجحانِ طبع، آسانی اور پسند کا لحاظ کرنا اور شدت و غلو اور انتہاپسندی سے بچنا ہی اسوۂ رسولؐ ہے۔

اس موقف کی تائید ایک روایت کرتی ہے جو مداہنت اور رواداری کے درمیان حضوؐر کے متوازن اسوۂ کو نمایاں کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ بِالْیَھُوْدِیَّۃِ وَلَا بِالنَّصْرَانِیَّۃِ وَلٰکِنِّیْ بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّۃِ السُّمْحَۃِ ''مجھے نہ تو یہود کے اندازِ دین داری کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور نہ نصرانی مذہبیت کے ساتھ، مجھے اس موحدانہ طرزِ بندگی کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے جس میں وسعت و آسایش ہے''۔ (مسند احمد، رقم ۲۱۶۲۰)

اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلَی اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ السَّمْحَۃُ ''دین داری کا انداز اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، وہ ٹھیٹھ موحدانہ طرز کی بندگی، جس میں خوب نرمی و میانہ روی ہو'' (بخاری، رقم الحدیث ۳۷، طبرانی، رقم ۷۵۶۲)۔ یہ الفاظ اس طویل حدیث کا حصّہ ہیں جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کچھ حبشی لوگ عید کے روز آئے اور انھوں نے مسجد میں ایک رقص نما کھیل پیش کیا۔ تب نبیؐ نے مجھے بھی بلا لیا۔ میں آپ کے کندھے پر اپنا سر رکھ کر ان کا کھیل دیکھتی رہی یہاں تک کہ میں نے خود ہی ان کی طرف سے توجہ پھیر لی۔ (مسند احمد، مسلم)

حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے کہا: اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: لِتَعْلَمَ الیَھُوْدُ اَنَّ فِیْ دِیْنِنَا فُسْحَۃٌ اِنِّیْ اُرْسِلْتُ بِحَنِیْفِیَّۃٍ سُمْحَۃٍ (مسند احمد، رقم ۲۳۷۱۰)۔ علامہ البانی نے خُذُوْا یَابُنَیَّ رفدہ! حَتّٰی تَعْلَمَ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی اَنَّ فِیْ دِیْنِنَا فُسْحَۃٌ ''شاباش حبش کے جوانو! تاکہ عیسائی و یہود جان لیں کہ ہمارے دین میں بڑی وسعت ہے'' کے الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (ناصر الدین البانی: السلسلۃ الصحیحہ)

زمانۂ جاہلیّت میں شرک و بت پرستی کو غلط جاننے اور عام بُرائیوں سے دامن کش رہنے والے صاحبِ عزم انسانوں کو 'حنیف' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے قرآن نے حَنِیْفًا مُّسْلِمًا کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حنف یحنف کا مطلب مڑا ہونا بھی ہے اور سیدھا ہونا بھی۔ میلان ختم کر لینا بھی ہے اور میلان پیدا کر لینا بھی۔ ایک طرف سے ٹوٹنا دوسرے سے جڑنا۔ گویا حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی طرف سے بالکل ہٹ کر کسی اور طرف کا ہو لے۔ چنانچہ حنیفیت کا معروف معنی ہے سب معبُودوں سے ناتا توڑ کر ایک ہی معبُود کا ہو رہنا۔ سمحہ کے معنی ہیں میانہ روی، معقولیت، اعلیٰ ظرفی، وسعت نظر کے ساتھ آسانی و نرمی، رواداری و رحم دلی۔ گویا اسلام مذہبی جکڑ بندیوں کا نام نہیں۔ اسلام میں جائز خواہشات کو دبا دینا اور جذبات و احساسات کا قتل جائز نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ میں ہمیں حنیفیہ اور سمحہ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ ایک طرف ایسے اصول ہیں جن پر کوئی مفاہمت نہیں، یعنی باطل سے کوئی مفاہمت نہیں، یکسو ہو کر ایک رب کا ہو رہنا ہے۔ دوسری طرف دعوت و تربیت، ابلاغ اور قائل کرنے میں کوئی جبر

نہیں۔ دعوتی عمل میں معقولیت، مخاطبین کی سہولت کا خیال، نہ ماننے والوں سے کسی الجھاؤ کا شائبہ تک نہ ہونا، لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کے شرک بے زار اعلان کے ساتھ ہر ایک کو بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا کی نوید جاں فزا۔ (مسلم ،رقم ۳۲۶۲)

اصولی مسائل میں جب خاندان میں آپؐ کے واحد پشتی بان چچا ابوطالب نے بھی سردارانِ قریش کے دباؤ اور اپنی مجبوریوں کا احساس دلا کر ایک موقعے پر آپؐ کو کچھ مفاہمت کی راہ دکھانا چاہی، تو آپؐ کا یہ فرمانا کہ واللہ! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔ آپؐ کے اس اسوہ میں ہمارے لیے یہ رہنمائی موجود ہے کہ دینی اصولوں پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جاسکتا۔ عتبہ بن ربیعہ کی طرف سے کلمہ کی دعوت چھوڑنے کے نتیجے میں حکومت و دولت کی پیش کش کو آپؐ کی طرف سے ٹھکرایا جانا معمولی بات نہیں۔ کوئی دانش ور کہہ سکتا ہے کہ آپؐ پہلے حکومت بنا لیتے اور پھر حکومت کی طاقت سے توحید کی دعوت کی ترویج کرتے لیکن آپ نے اصولِ توحید کی تنفیذ کے لیے مشرکانہ سیادت کا بارِ احسان ہونا گوارا نہ کیا۔

اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں ایک مسلمان کا کام دین کو بلاکم و کاست انسانوں تک پہنچا دینا ہے۔ اب کوئی اللہ کے نازل کردہ دین کو نہیں مانتا تو اس زندگی میں اسے اس کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اس کا فیصلہ روزِ محشر اللہ نے کرنا ہے، ہم نے نہیں۔ البتہ دنیا میں باطل کے پرستاروں پر ان کی غلطی واضح کرنا اور انھیں عذابِ الٰہی سے ڈرانا ہماری ذمہ داری ہے۔

مسلم مکاتبِ فکر کے درمیان رواداری

اب تک ہم نے دیگر اقوام و مذاہب کے معاملے میں رواداری کے مفہوم کے تعین کی کوشش کی ہے۔ اب خود مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان ہم آہنگی کے فروغ کے لیے جس رواداری کی ضرورت ہے، اسے سیرتِ رسولؐ کی روشنی میں جاننے کی کوشش کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ آج مسلمانوں میں بہت سے مکاتبِ فکر ہیں جن میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں پائی جاتی ہیں۔ کسی کو کسی کی توحید مشکوک نظر آتی ہے تو کوئی کسی دوسرے کو

منکرِ رسولؐ قرار دیتا ہے۔ عقائد اور معاملات میں کہیں کہیں بڑے انحرافات بھی نظر آتے ہیں۔ ان پر تنقید نہ کرنا بھی اُمت کے مفاد میں نہیں۔ اُمت کو اصل دین پر قائم رکھنے کے لیے اصل دین کا اُجاگر کرتے رہنا ضروری ہے۔ لیکن اس تنقید و تحقیق کو ایسے اصولوں کا پابند رکھنا ضروری ہے جو ہمیں اسوۂ رسولؐ سے حاصل ہوتے ہیں۔

لوگوں پر کفر و شرک کے فتوے لگانا، جب کہ وہ کلمہ گو ہوں، یہ نبویؐ دعوت کا اسلوب نہیں ہے، خصوصاً جب ان پر کوئی دعوتی حجت بھی قائم نہ ہوئی ہو۔ حضورؐ پر تو منافقین کا نفاق واضح تھا، آپؐ نے کبھی کسی منافق کو بھی منافق کہہ کر مخاطب نہیں فرمایا۔ قرآن میں کسی ایک جگہ بھی یاایھا المنافقون کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے حالانکہ قرآن میں جگہ جگہ منافقین کے رذائل بیان ہوئے ہیں۔ جب بھی کسی مسلمان یا مسلمانوں کے کسی گروہ کی خامی حضورؐ کے علم میں آتی تو آپؐ برسرِ منبر اس خرابی پر توجہ ضرور دلاتے لیکن ان افراد کا نام کبھی نہ لیتے تھے۔

اگر کسی امر پر دلیل ملتی ہو اور اُمت کے معتبر اہلِ علم کی گواہی بھی موجود ہو تو اس کی روشنی میں یہ کہنا کہ یہ کام شرک ہے، یا یہ رویّہ کفر ہے، یہ گناہ ہے یا فسق ہے، اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ کسی متعین فرد یا گروہ کا نام لے کر اُسے کافر و مشرک، بدعتی یا منافق کہنا بہت سے پہلوؤں سے تحقیق و تفتیش کا متقاضی ہے۔ لوگوں کو خدا کا حق بتانے میں پُرحکمت اور مؤثر انداز اختیار کرنا ضروری ہے۔

جہاں حق بات کے اظہار کی استطاعت و اہلیّت نہ ہو یا جہاں باطل کو رد کرنے کی حالات اجازت نہ دیتے ہوں، وہاں وقتی طور پر خاموش رہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت موسٰیؑ جب ۴۰ روز بعد بنی اسرائیل کی طرف واپس آئے اور انھیں گئوپرستی میں مبتلا پایا تو انھوں نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ سے پوچھا: مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ (طٰہٰ ۲۰: ۹۲-۹۳) ”تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمھارا ہاتھ پکڑا تھا کہ تم میرے طریقے پر عمل نہ کرو“۔ تو حضرت ہارونؑ نے جواب میں کہا: اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ (طٰہٰ ۲۰: ۹۴) ”مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آ کر کہے گا کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا“۔

حضرت موسیٰؑ کے بعد قوم نے جو بت پرستی اور سرکشی کی راہ اختیار کی، سورۂ اعراف کے مطابق حضرت ہارونؑ کو اپنی جان کی ہلاکت اور اس کے نتیجے میں قوم کے انتشار کا خطرہ محسوس ہوا تو انھوں نے حضرت موسیٰؑ کی واپسی کے انتظار تک جو مصلحت اختیار کی، قرآن نے اسے ناپسندیدہ قرار نہیں دیا۔

دین کے اجتہادی و فروعی معاملات میں حضورؐ نے مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو نہ صرف برداشت کرنے کی تربیت دی بلکہ اس عمل کو حصولِ فضیلت کا ذریعہ قرار دیا۔ فرمایا: اَنَا زَعِیْمٌ بِبَیْتٍ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَ اِنْ کَانَ مُحِقًّا ''میں اس شخص کے لیے جنت کے وسط میں گھر کا ضامن ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے''۔(ابی داؤد، رقم ۴۸۰۰)

قوم کے فتنہ و ہیجان میں مبتلا ہونے کے خطرے کے پیش نظر آپ نے اپنے پسندیدہ عمل کو بھی ترک کر دیا۔ خانہ کعبہ کی عمارت ادبارِ زمانہ کے باعث ان بنیادوں پر موجود نہ تھی جن پر اسے حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا، حضورؐ ایسا کرنا چاہتے تھے لیکن فتنہ پیدا ہو جانے کے اندیشے سے ایسا نہ کیا۔ ایک دن حضرت عائشہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''میرا دل چاہتا ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت انھی بنیادوں پر تعمیر کروں جہاں اسے حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا لیکن اس وجہ سے رُک جاتا ہوں کہ تیری قوم نئی نئی مسلمان ہوئی ہے''۔(بخاری، رقم ۱۴۸۳)

اللہ کے رسولؐ جنھوں نے دعوتِ حق کے بیان میں کبھی سختیوں اور مخالفتوں کی پروا نہ کی اور نہ کسی ملامت کا خوف کھایا، وہ اس بات سے کیوں محتاط ہیں کہ خانہ کعبہ کی نئی تعمیر سے قوم بگڑ جائے گی۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ دین کا اساسی مسئلہ نہ تھا کہ جسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ کسی بھی ملامت کا خوف نہ کھاتے۔ چونکہ یہ مسئلہ فروعی نوعیت کا تھا اس لیے آپؐ نے لوگوں کے جذبات کا لحاظ کر کے کعبہ کی تعمیرِ نو پر ترجیح دی۔ گویا مسلمانوں کو یہ راہ دکھائی کہ وہ فروعی معاملات میں آپس میں اُلجھنے سے زیادہ اُمت کے اتحاد کو اہمیت دیں اور باہمی رواداری کا رویہ اپنائیں۔

اسوۂ رسولؐ میں ہمیں احکامِ شریعت کے فہم و استنباط میں توسّع اور تنوع کی اتنی گنجایش نظر آتی ہے کہ اس میں تعدّدِ مسالک کا قبول کیا جانا، ہمارے اَسلاف کی شان دار علمی روایت کا حصّہ دکھائی دیتا ہے۔ اس ذریعے سے انسان کو اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں

اور تعمیری و تحقیقی عمل کے لیے ایک سازگار ماحول بنانے میں بے حد متوازن آداب و حدود رہنمائی کا کام دے سکتے ہیں۔

بخاری میں ہے کہ حضوؐر نے بنی قریظہ کی طرف ایک دستے کو روانہ کرتے ہوئے نصیحت کی: لَایُصَلِّیَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِی قُرَیْظَةَ ''کوئی بھی شخص بنی قریظہ کی بستی کے سوا نمازِ عصر نہ پڑھے''۔ صحابہ کرامؓ ابھی راستے میں تھے کہ انھیں محسوس ہوا کہ وہ نمازِ مغرب سے پہلے کسی طرح بھی بنی قریظہ کی بستی میں نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس لیے ایک گروہ نے نماز قضا ہونے کے اندیشے کے پیش نظر کہا کہ نمازِ عصر یہیں ادا کر لینی چاہیے۔ دوسروں نے کہا کہ آپؐ کا حکم بنی قریظہ میں پہنچ کر نمازِ عصر ادا کرنے کا ہے۔

پہلے گروہ نے اس کی تاویل کی کہ آپؐ کا مقصد تھا کہ ہم جلد از جلد وہاں پہنچیں لیکن اب ایسا ممکن نہیں، جب ہم نمازِ عصر کے دورانیے میں وہاں نہیں پہنچ سکتے تو نماز قضا نہ کریں۔ لہٰذا ایک گروہ نے عصر کی نماز راستے میں پڑھی، جب کہ دوسرے گروہ نے منزل پر پہنچنا ضروری سمجھا لیکن ان کی نماز قضا ہوگئی۔ آپ سے اس معاملے کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے کسی کی بھی سرزنش نہ فرمائی: فَذُکِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ فَلَمْ یُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْھُمْ (بخاری، رقم ۴۱۱۹)

ایک اور حدیث جس کے راوی حضرت ابوسعید خدریؓ اور عطاءؒ بن یسار ہیں، کے مطابق دو صحابی سفر پر تھے کہ پانی کی عدم دستیابی کے باعث تیمّم کر کے نماز ادا کر لی اور پھر مزید سفر پر روانہ ہوگئے۔ ادا کی گئی نماز کا وقت ابھی باقی تھا کہ پانی میسر آ گیا۔ ایک صحابی نے کہا کہ اب ہمارا عذر ختم ہوگیا ہے اور نماز کا وقت بھی باقی ہے، لہٰذا ہمیں وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے۔ دوسرے نے کہا کہ میں تو نہیں دہراؤں گا کیونکہ جس وقت ہم نے تیمّم سے نماز پڑھی تھی اس وقت ہمارا عذر موجود تھا۔ جب بارگاہِ رسالتؐ میں رہنمائی کے طلب گار ہوئے تو جس نے نماز نہیں دُہرائی تھی آپؐ نے اس سے کہا کہ تو سنت کو پا گیا اور تیرے لیے تیری نماز کافی ہوگئی، جب کہ نماز دہرانے والے سے فرمایا کہ تمھارے لیے دہرا اجر ہے۔ (ابوداؤد) گویا آپؐ نے دونوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ میں بھی مختلف علمی ذوق و مزاج اور علمی سطح کے افراد موجود تھے اور حضوؐر نے قرآن و حدیث کے فہم و تعبیر میں ان کے اختلاف کو جائز قرار دیا۔ اس لیے کہ

دونوں آرا رکھنے والوں کو قولِ رسولؐ کی حجیت اور اہمیّت سے انکار نہیں تھا لیکن پیش آمدہ نئی صورت حال میں آپؐ کے الفاظ کی تفہیم وتعبیر میں اختلاف ہوا۔ اس لیے آپؐ نے کسی پر گرفت نہیں کی۔

اسوۂ رسولؐ کے اسی پہلو کے پیش نظر اَسلاف میں وہ روادارانہ طرزِ عمل دکھائی دیتا ہے جس کا تذکرہ شاہ ولی اللہ کی کتاب الانصاف میں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے کہا کہ آپ کے مجموعہ احادیث موطا کی فقہی آرا کا کیوں نہ تمام اُمت کو سرکاری طور پر اس کا پابند کر دیا جائے، تو امام مالکؒ نے انھیں یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ امیرالمومنین ایسا نہ کریں۔ مختلف دیار میں محدثین وفقہا پہنچ چکے ہیں جن کے علم وتقویٰ پر وہاں کے لوگوں کا اعتماد قائم ہے۔ آپ زبردستی کر کے ان پر زیادتی کریں گے۔ اسی طرح امام شافعیؒ جو نمازِ فجر میں دعاے قنوت پڑھنے کے قائل تھے۔ جب انھوں نے کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مدرسے میں نمازِ فجر پڑھائی اور دعاے قنوت نہ پڑھی، تو لوگوں نے پوچھا کہ آج آپ نے دعاے قنوت نہیں پڑھی، تو آپ نے فرمایا کہ آج میں ان کے شہر میں ہوں جو ایسا نہیں کرتے۔ لہٰذا میں نے اس کے خلاف کرنا مناسب نہ جانا۔ (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۴۱)

آج کے عالمی گاؤں (Global Village)، نئی دنیا میں جس تہذیبی اور ثقافتی کش مکش سے ہمیں واسطہ ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جہاں ایک طرف دین کے ٹھیٹھ اور واضح تصور کو اپنانے کی ضرورت ہے، وہاں داعیانِ دین کے لیے زمانہ شناس ہونا بھی ضروری ہے۔ اپنے زمانے کو سمجھے بغیر اگر ہم نے کوئی اقدام کیا تو اس کمزوری کا فائدہ کفر ہی کو ہوگا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جن موضوعات پر آج بین الاقوامی سطح پر بحث ہو رہی ہے، ان کے بارے میں کسی ردِعمل کی نفسیات کا شکار ہوئے بغیر اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں ٹھیک ٹھیک رہنما خطوط متعین کیے جائیں، تاکہ ایک طرف ہم اپنی اقدار و روایات کا تحفظ کر سکیں تو دوسری طرف دیگر اقوام کے سامنے اسلام کا تشخص پیش کر سکیں۔

مقالہ نگار شعبہ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج، ٹاؤن شپ لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ برقی پتا: drakhtarazmi27@gmail.com

مُراد کرناز کی رودادِ اسیری

عبرت ناک ــــــ لرزہ خیز

گوانتانامو میں پانچ سال

تقریظات

الطاف حسن قریشی، اوریا مقبول جان، عظیم سرور

قیمت: ۲۵۰ روپے

دعوتی و تربیتی لٹریچر کی اشاعت میں منفرد نام

منشورات

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790

042-3541 9520-24-35434909

042-35434907

manshurat@gmail.com

مکمل فہرست کے لیے اپنا پتا SMS کیجیے

0332-0034909, 0320-5434909

پیغام قرآن سیریز

صفحات 368

قیمت 158/-

ہماری ۴۰۰ سے زائد قرآن و سیرت ادبی اور بچوں کی کتب

بہترین کتب

ڈاکٹر محمود احمد غازی

محاضرات قرآنی	450/-
محاضرات سیرت ﷺ	600/-
محاضرات حدیث	500/-
محاضرات فقہ	500/-
محاضرات شریعت	500/-
محاضرات معیشت و تجارت	500/-

رائے خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ

فلسفہ سائنس اور قرآن	350/-
سیرت کا ایک معطر جھونکا	200/-
آب زم زم (یحییٰ ہمزہ کوشک)	180/-
اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم	220/-
میری آخری سانس	60/-

فقہ السنہ (محمد عاصم الحداد)	450/-
سفرنامہ ارض القرآن (رنگین)	600/-
بیت اللہ کعبہ شریف (نسیم احمد بن حاجی کرم الدین) (قدیم حرم شریف کی عہد بہ عہد توسیع اور تعمیر) (آرٹ پیپر، رنگین) (20X30 سائز)	2500/-
حجاز ریلوے ۔ عثمانی ترک اور شریف مکہ	250/-

نعیم صدیقیؒ

محسن انسانیت ﷺ	480/-
سید انسانیت ﷺ	150/-
رسول ﷺ اور سنت رسول ﷺ	210/-
نور کی ندیاں رواں (نعتیہ کلام)	60/-
تحریکی شعور	250/-
افشاں (نظموں کا مجموعہ)	180/-
شعلہ خیال باضافہ شعاع روزن	75/-
اقبال کا شعلہ نوا	200/-
شعاع جمال (غزلیں)	150/-
عورت معرض کشمکش میں	250/-
معرکہ دین و سیاست	80/-
انوار و آثار	90/-
تعلیم کا تہذیبی نظریہ	500/-
ٹھنڈی آگ (افسانے)	200/-
تعمیر سیرت کے لوازم	21/-
اپنی اصلاح آپ	21/-
بیمہ زندگی	18/-
تحریک اسلامی	45/-

الفیصل ناشران و تاجران کتب

Gazni Street Urdu Bazar, Lahore

Phone 042-37230777 -37231387

Www.alfaisalpublisher.com

E-mail: alfaisalpublisher@yahoo.com

مصر کی جیل سے

ڈاکٹر صلاح سلطان/ ترجمہ: محی الدین غازی

ڈاکٹر صلاح سلطان معروف عالم دین، نام وَر مصنف و داعی اور دبنگ مقرر ہیں۔ وہ ۲۰؍اگست ۱۹۵۹ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ مختلف موضوعات پر اب تک ان کی ۶۰ سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مسلم دنیا میں اہلِ علم کی قدر دانی ملاحظہ کیجیے کہ مصر کے پہلے منتخب صدر محمد مرسی کا تختہ اُلٹے جانے کے بعد سے وہ اور ان کا نوجوان بیٹا جنرل سیسی کی قید میں ہیں۔

ڈاکٹر صلاح سلطان کا بنیادی تخصص اسلامی قانون ہے۔ وہ مصر سعودیہ اور بحرین کی کئی اہم یونی ورسٹیوں میں تدریسی اور انتظامی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ مختلف اداروں، اسلامی اور علمی تنظیموں میں بڑے عہدں پر خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ متعدد ٹی وی چینلوں پر دعوتی اور اصلاحی پروگرامات کر چکے ہیں۔ بحرین میں وزارتِ مذہبی اُمور کی اعلیٰ کمیٹی کے مشیر اور مکہ مکرمہ اوپن یونی ورسٹی کے اسلامک ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ بھی رہے ہیں۔ اسی طرح قاہرہ یونی ورسٹی اور بحرین یونی ورسٹی میں بھی پڑھاتے رہے ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ اوپن یونی ورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن بھی رہے ہیں۔ رابطہ علما جرمنی اور عالمی اتحاد علماء المسلمین کے رکن اور عالمی اتحاد علما کی فلسطین کمیٹی کے سربراہ بھی رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی اسیری کا ایک سال پورا ہونے پر ایک تفصیلی خط لکھا ہے۔ ایک ربانی عالم دین، مسلسل جہد پیہم کا خوگر مخلص کارکن کیسا ہوتا ہے، یہ خط اس کا ایک پرتو ہے۔ (ادارہ)

وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ط وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ط وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (ابراہیم ۱۴:۱۲) اور ہم اللہ پر بھروسا کیوں نہ کریں، اس نے تو ہمیں ہمارے راستے دکھائے، تم ہمیں جو بھی تکلیف دو، ہم تو صبر سے جمے رہیں گے، اور بھروسا کرنے والوں کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے۔

زندگی کے بہت سارے ماہ و سال مہربان رب کے فضل و کرم کے سایے میں گزارے، اور

آج لیمان اور عقرب کی جیلوں میں ایک سال مکمل ہوا۔ یہ ایک سال جو زنداں کی دیواروں اور سلاخوں کے درمیان گزرا، بہت ساری محرومیوں کا احساس دلاتا رہا۔ مسجدوں سے محرومی کہ جہاں میں نماز پڑھتا، خطبے اور درس دیتا اور اعتکاف کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا۔ سفر کی آزادی سے محرومی کہ دیس دیس جا کر دعوت کا فرض انجام دینا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ بیوی اور اولاد سے محرومی جو میرے دل کے ٹکڑے اور جگر پارے ہیں۔ رشتہ داروں اور قرابت داروں سے محرومی کہ جن سے قوت اور مدد ملتی۔ ذہین، پاک باز اور باصفا شاگردوں سے محرومی کہ جن سے مل کر لگتا کہ بڑی دولت ہاتھ آ گئی۔ اہلِ علم سے محرومی کہ جن کے سامنے بیٹھ کر لگتا کہ گویا پھولوں اور پھلوں سے لدے باغوں میں پہنچ گئے۔ صدق و صفا کے پیکر دوستوں سے محرومی کہ جن کو چاہا تو اللہ کی محبت میں چاہا، اور جن سے ملاقات پر لگتا کہ دل کی ہر پریشانی دُور ہوگئی۔ آسمان کی فضاؤں میں پرواز کرنے والی، سرسبز و شاداب درختوں کے جمال میں کھو جانے والی، دریا اور سمندر کے صاف و شفاف پانی پر چلنے کا لطف لینے والی نگاہ سے محرومی کہ جیل کی کوٹھڑی میں یہ سب کہاں میسر۔ کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے اور کسی بیمار کی مزاج پُرسی کے موقعوں سے محرومی۔

جب مَیں جیلروں کی دسترس میں پہنچا، جن کے دل رحم اور ہمدردی سے خالی تھے، تو سب سے پہلے میں نے اپنے رب کے حضور قسم کھائی کہ مَیں اپنے سارے گناہوں اور ساری غلطیوں سے سچّی توبہ کروں گا، اور اس طرح نفس کو پہلے پاک کروں گا پھر اسے خوبیوں سے آراستہ کرنے کی مہم چھیڑوں گا۔ جب مجھے لیمان کی قیدِتنہائی میں رکھا گیا تو میں نے اس دور کو یہ عنوان دیا کہ ''لیمان میں رحمٰن کا عرفان حاصل ہوا'' اور جب عقرب کے جیل میں منتقل کیا گیا، تو مَیں نے اسے یہ عنوان دیا کہ ''عقرب میں ہم اللہ سے اقرب (زیادہ قریب) ہوگئے''۔ اللہ سے قریب تر ہونے کے لیے شاہِ کلید تو قرآنِ مجید ہے۔ پس مَیں نے اپنے جیل کے ساتھیوں سے اجازت لی کہ مَیں پہلے نماز کی حالت میں قرآنِ مجید ختم کروں گا، تاکہ شیطان یہاں سے راہِ فرار اختیار کر لے، اور اس تنگ کوٹھڑی میں وسعت اور میرے سینے میں کشادگی پیدا ہو جائے۔ پھر مَیں نے طے کیا کہ عام رفتار کے بجاے، فَفِروا الی اللّٰہ والی برق رفتاری سے سلوک کی منزلیں طے کر کے مہربان رب کے قریب پہنچوں گا۔ پس میں دوڑ پڑا، پوری قوت سے دوڑنے لگا، اللہ کی خوشنودی اور جنت کی

کامیابی کے قریب، اور میں پوری قوت سے بھاگنے لگا، اللہ کی ناراضی اور جہنّم کی آگ سے دُور۔ میں نے اپنے رات اور دن عبادت و انابت، اور تعلیم و تحریر میں مصروف کر دیے۔

بس پھر کیا تھا، جسے لوگ مصیبت کہتے ہیں وہ نعمت ثابت ہوئی، جسے لوگ تنگی سمجھتے ہیں وہ فراخی لگنے لگی، اور جو محرومی نظر آتی تھی وہ برومندی [بارآوری] بن گئی۔ قرآنِ مجید کی اُمید افزا آیتوں کے سایے میں میرے شب و روز گزرنے لگے، جیسے ''میرا دوست تو اللہ ہے، جس نے کتاب نازل کی، اور وہ صالحین کو دوست بناتا ہے'' (اعراف ۷:۱۹۶)۔ ''وہ ہمارا کارساز دوست ہے، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا ہے'' (التوبہ ۹:۵۱)۔ ''پھر اللہ نے ان پر سکینت نازل کی اور جلد حاصل ہونے والی فتح سے نوازا'' (الفتح ۴۸:۱۸)۔ ''اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا''۔ (طلاق ۶۵:۷)

میرے قلب و وجدان میں اعلیٰ و ارفع معانی گھر کرنے لگے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ مومن کا معاملہ بھی خوب ہے کہ ہر حال میں وہ خیر سے مالا مال رہتا ہے۔ یہ خوبی کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ جب اسے خوش حالی حاصل ہوتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لیے باعثِ خیر ہوتا ہے، اور اگر اسے تنگی لاحق ہوتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر کا سامان ہوتا ہے۔ حکیم ابن عطا کا یہ جملہ کہ ''جو اللہ کے انعام و اِکرام کے باوجود اللہ سے غفلت برتتا ہے، اسے آزمایش کی زنجیروں میں باندھ کر اس کے پاس لایا جاتا ہے''۔

جیل میں میرے رب نے مجھے بتایا کہ صبرِجمیل اور قناعت و رضا کی منزلیں کیسے طے کرتے ہیں اور مَیں نے بھی کمر کس لی، اور اللہ کے فضل سے تزکیے کی راہ میں کچھ اس طرح پیش قدمی ہوئی: قید کے اس سال میں اللہ کے فضل سے نماز کی حالت میں ۱۰۰ سے زیادہ مرتبہ قرآنِ مجید ختم کیا، وہ بھی اس طرح کہ تلاوت کے دوران دماغ تدبر میں مصروف، دل اثر قبول کرنے کے لیے آمادہ اور شخصیت تعمیر کے لیے تیار۔ اس ایک سال میں مجھ پر قرآنِ مجید کے وہ معانی آشکارا ہوئے جو پچھلے چھے سال سے زیادہ تھے۔ اسی سال بخاری کی روایت کی اجازت مجھے حاصل ہوئی جو میری قدیم تمنا تھی اور اللہ نے جیل میں پوری کی۔

اس سال جیل کے اندر میں نے تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ، لغت، ادب، شعری دیوان، تاریخ اور فلسفے میں اتنا پڑھا کہ کبھی پانچ برس میں نہیں پڑھا تھا۔ اس سال جیل کے اندر میں نے قرآنِ مجید کی

حکمت عملی، تفسیر کے طریقے، ایمان، اخلاق اور فقہ کے قواعد، اور فتویٰ و تربیت کے موضوعات پر کافی کچھ لکھ لیا۔ ساتھ ہی دنیا کے مختلف ملکوں میں پیش آنے والے ۵۰ دعوتی واقعات کو تحریر کیا۔ اس مشغلے نے مجھے جیل کے اندر اپنے رب کے ساتھ خلوت کی خوب صورت ترین ساعتیں عطا کیں۔

اس سال جیل میں میرا ایسے مردوں اور نوجوانوں سے تعارف ہوا، جو اخلاق و کردار، سوز و انابت، عجز و انکساری اور علم و بصیرت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ ربِ ارض و سما کے ساتھ خلوت ایک جنت تھی تو اس کے بعد ان سے ملنا اور ان کی رفاقت میں بلندیوں کو چھونا ایک دوسری جنت تھی۔ میں اپنے بیوی بچوں اور بھائیوں سے پہلے ہی بہت محبت کرتا تھا، جو اس ایک سال میں کئی گنا بڑھ گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ انھیں میری اور میرے بیٹے محمد کی شدید ضرورت تھی۔ بیماریوں نے ان کا امتحان بھی لیا، مگر وہ صبر و استقامت کی تصویر بنے رہے۔ مَیں نے اپنے بھائیوں اور خاندان والوں میں اس آزمایش کے دوران وہ بلند کردار دیکھا کہ جو قابلِ تعریف و ستایش ہے، اور جس پر اللہ کا بے پناہ شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آزمایش کے دوران صلہ بھی بہت دیا۔ میری بیوی کی صحت پہلے سے بہتر ہوگئی۔ میری بیٹی حنا کو اللہ نے امین کے بعد دوسرا بیٹا الیاس دیا، میرے تیسرے بیٹے انجینیر خالد کی شادی ہوگئی۔ میرے چوتھے بیٹے عمر کو پولیٹیکل سائنس میں امریکا کی سب سے اچھی یونی ورسٹی میں داخلہ مل گیا۔ میری سب سے چھوٹی بیٹی بشریٰ کی منگنی اور پھر شادی ہوگئی۔ میرے بھتیجے حمزہ عزوز کو جیل سے رہائی ملی، اللہ نے اس کے بھائی محمد کو غنڈوں کے ہاتھوں موت سے بچایا، اور میری بھانجی حنا نے انٹرمیڈیٹ میں پورے ملک کی سطح پر پوزیشن حاصل کی اور میرے خاندان میں حفاظ کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

اس سال ایسے ایسے لوگوں نے مجھ سے آکر ملاقات کی اور خطوط لکھے جو ظلم کے اندھیرے میں روشنی کا مینار ہیں اور جن کے دل شجاعت اور وفا کا نشان ہیں۔

جیل میں اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ شخصیت عطا کی جو مظلوم ساتھیوں کے لیے اس طرح نرم ہے کہ گویا مَیں ان کا مشفق باپ اور جگری دوست ہوں، اور ظالموں کے لیے اتنی سخت ہے، جیسے تیز دھاری تلوار۔ میں نے اللہ سے بار بار دُعا کی کہ وہ ان سارے ظالموں کو ان کے ظلم کا مزا چکھائے۔ قید ہوتے ہی مَیں نے اللہ سے نذر مانی کہ جب تک رہا نہیں ہو جاتا، ہر دن روزہ رکھوں

گا، اس اُمید پر کہ روزہ دار کی جو افطار اور سحری کے وقت دعاؤں کی قبولیت کی ساعت ہوتی ہے، وہ ساعت مجھے ہر روز ملے، اور میں ان ساعتوں میں خاص طور سے ظالموں کے لیے بُرے انجام کی، اور صالحین کے لیے استقامت اور سرخ روئی کی دُعا کروں۔

جیل میں ہر شب سونے سے پہلے اللہ سے دعا مانگنا، کہ مجھے جیل میں بند کرنے والے ظالم نے جن لذتوں کو مجھ سے چھینا ہے، وہ مجھے خواب میں حاصل ہو جائیں۔ اللہ کی قسم جیل سے باہر مجھے جو کچھ حاصل تھا، وہ مجھے نیند کی حالت میں حاصل ہوتا رہا۔ مسجدوں میں نمازیں، مشرق سے لے کر مغرب تک دینی مراکز کے سفر، اجتماعات اور کانفرنسیں، تربیت و تزکیے کے کیمپ، علمِ شریعت کے ورکشاپ، یورپ، امریکا، جاپان، پاکستان، ہندستان، ازبکستان اور دیارِ عرب، غرض پوری دنیا کے دعوتی دورے، یہاں تک کہ مجھے جو پانی اور سبزہ سے عشق ہے، اللہ نے اس سے بھی محروم نہ رکھا۔

اس سال میں نے اپنی جسمانی صحت کا بھی خوب خیال کیا، اور اللہ کے فضل سے ورزش کا ایسا عمدہ پروگرام اپنے اُوپر نافذ کیا جس کو نوجوان بھی انجام نہیں دے سکتے۔ جیل میں ڈالنے والوں نے مجھے ایک سخت آزمایش کی آگ میں جلانا چاہا، لیکن مجھے آگ کی تپش کے بجائے صبرِ جمیل کے نور کا کیف حاصل ہوا۔ انھوں نے میرے بڑے بیٹے اور گہرے دوست محمد کو گرفتار کر کے جیل میں بند کیا اور کئی مہینوں تک مجھ سے ملنے نہیں دیا۔ ظالموں کے ظلم کے خلاف طاقت ور احتجاج کرتے ہوئے میرے بیٹے نے بھوک ہڑتال کی اور آج اسے ۲۴۰ دن ہو گئے۔ اس کا تنومند جسم ہڈیوں کا ڈھانچا ہو گیا ہے۔ اس جوان نے اتنی لمبی بھوک ہڑتال کر کے اپنی قوتِ ارادی سے سب کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ میں کئی بار اس کے منہ اور ناک کے پاس اپنا کان رکھ کر سننے کی کوشش کرتا ہوں، آیا زندگی کی کچھ رمق باقی ہے لیکن اب بھی اس کے پاس سے قرآن کی تلاوت اور دعائیں سنائی دیتی ہیں۔ میں اس کے پاس ہوتا ہوں تو لگتا ہے کہ ہم زمین پر نہیں آسمان کی کسی منزل پر ہیں اور جب اس منزل سے اُتر کر نیچے آتا ہوں تو منہ میں جانے والا ہر لقمہ تلخ لگتا ہے۔ جس کے جگر کا ٹکڑا مہینوں سے بھوکا ہو، وہ تو کھانا نہیں کھاتا ہے بلکہ ہر کھانے کے وقت غم کی شدت سے ایک موت مرتا ہے۔ اس سب کے باوجود ہمارے ارادے جوان اور جوان ہوتے جا رہے ہیں۔ حق کی خاطر جان نچھاور کرنے کا جذبہ روز بروز طاقت ور ہو رہا ہے۔ آج محمد اس لیے جیل میں ڈالا گیا کہ وہ

ایک قائد صلاح سلطان کا بیٹا ہے، اللہ نے چاہا تو ہم باہر آئیں گے اور اس وقت لوگ مجھے ایک بطلِ عظیم محمد سلطان کے باپ کی حیثیت سے جانیں گے۔

میرے بھائیو اور میری بہنو! میرے بیٹو اور میری بیٹیو! میں تمھیں خوش خبری سناتا ہوں کہ مستقبل روشن ہے، آزادی کے دن قریب ہیں۔ اللہ کی قسم! اس سال میں نے اپنے سجدوں اور اپنی خلوتوں میں تمھارے لیے اس قدر دعائیں کی ہیں کہ کبھی ۱۰ سال میں نہیں کی ہوں گی۔ اس بات پر خوش ہو جاؤ اور ہمارے لیے تم بھی خوب دعائیں مانگو، لیکن دعاؤں کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ میرے پیغام کو پرواز کے پَر دینا بھی میرا تم پر حق ہے۔ فلسطین اور مسجد اقصیٰ کی آزادی کا مشن بھی تم کو سنبھالنا ہے۔ اگر تم میرے ناتواں جسم کو جیل سے آزاد نہیں کرا سکتے کہ یہ بس اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، تو یہ ضرور یاد رکھو کہ میری طاقت میرے پیغام میں ہے۔ یہی میری نظر بندی کا سبب ہے۔ میری کتابیں، میرے مضامین، میری تقریریں، میرے علمی اور تربیتی منصوبے اور خدادوست قائدین کی تیاری کا میرا انوکھا پروگرام، یہ سب انٹرنیٹ اور صفحات پر موجود ہیں۔ میری التجا ہے کہ میرے پیغام کو آزادی اور پرواز دو۔ اگر تم میرے ہر پیغام کے حامل بن کر اور اس کا ترجمہ کر کے دنیا بھر میں پہنچاتے ہو، قریہ قریہ، شہر شہر، تو سمجھو کہ تم میری دعاؤں کے دائرے میں داخل ہو جاؤ گے۔ وہ دعائیں جو ہر روز کئی بار میرے دل کی گہرائی سے نکلتی ہیں، اپنے ہونہار شاگردوں کے لیے، ان کے لیے جو میرے علم و بصیرت کو جو اللہ کا عطیہ ہے، دنیا میں عام کرنے کے لیے کوشاں ہیں، جو اپنے قول و عمل سے مسجد اقصیٰ کی آزادی اور فلسطین اور غزہ کی مدد کے لیے کمربستہ ہیں۔

یاد رکھو! جن ظالموں نے مجھے قید کر کے تم سے دُور کر دیا ہے، ان کو اور ان کے ظلم کو چیلنج کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ میرا پیغام خوب عام کرو۔ گو کہ میں تم سے رُوبرو نہیں ہو سکتا مگر اللہ اپنے فضل خاص سے میرے خوابوں میں تم سے میری ملاقات خوب کراتا ہے، اور وہ تمھاری رفاقت سے مجھے محروم نہیں کرے گا:

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھُوَ ط قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا o (بنی اسرائیل ۱۷:۵۱) اور وہ کہتے ہیں وہ (فتح) کب، کہو کہ کیا پتا کہ وہ قریب ہو۔ (سہ روزہ دعوت، دہلی، ۷ دسمبر ۲۰۱۴ء)

اسلامی معاشی ماڈل کے خدوخال

پروفیسر خورشید احمد/ ترجمہ: میاں محمد اکرم

اس وقت دنیا میں ہر پانچواں انسان مسلمان ہے۔ آج دنیا میں ایک ارب ۳۰ کروڑ سے زائد مسلمان بستے ہیں۔ ان میں سے ۹۰ کروڑ مسلمان ۵۷ مسلم مملکتوں اور ۴۰ کروڑ باقی دنیا کے ایک سو سے زائد ممالک میں رہتے ہیں۔ وسط ایشیا سے لے کر جنوب مشرقی ایشیا تک اور براعظم افریقہ کے بڑے حصّے پر مسلم آبادیوں کا ارتکاز ہے، تاہم مسلمان دنیا کے ہر حصّے میں موجود ہیں۔ یورپ میں مسلمانوں کی تعداد ۳ کروڑ سے زائد اور شمالی امریکا میں ۷۰ لاکھ ہے۔ یورپ اور امریکا میں اسلام دوسرا بڑا مذہب ہے۔ ۵۷ مسلم ممالک دنیا کے ۲۳ فی صد رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ دنیا کے اہم ترین بری، بحری اور فضائی راستے مسلم دنیا ہی سے گزرتے ہیں۔ مسلم دنیا اور باقی دنیا کا ایک دوسرے پر کافی انحصار ہے۔ مسلم ممالک میں وسائل کی فراوانی ہے لیکن وہ معاشی، اور صنعتی ترقی میں پس ماندہ ہیں۔ ان کے پاس بہت زیادہ مالیاتی وسائل ہیں لیکن ٹکنالوجی، انتظامیات اور پیداوار و ترقی کے جدید طریقوں کے استعمال میں وہ پیچھے ہیں۔ مسلم ممالک کی باہمی تجارت ۱۳ فی صد ہے، جب کہ ۸۷ فی صد تجارت بقیہ دنیا کے ساتھ ہوتی ہے۔ زیادہ تر مسلم ممالک ترقی پذیر دنیا سے تعلّق رکھتے ہیں۔ ترقیاتی حوالے سے ۵ کا تعلّق اعلیٰ ۲۵ کا تعلّق وسط سے ہے، جب کہ بقیہ ممالک کا تعلّق نچلے گروہ سے ہے۔[1]

مسلم دنیا کئی صدیوں تک تسلیم شدہ عالم گیر معاشی قوت کی حیثیت سے غالب رہی۔ معاشرتی برتری اور ٹکنالوجی میں ترقی صدیوں تک مسلم ممالک کا امتیازی نشان رہا ہے۔[2] البتہ

گذشتہ ۳۰۰ برسوں میں معاشی زوال ہوا ہے اور ان کی معاشی طاقت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ مسلم دنیا کے لیے سیاسی اور معاشی طور پر دوبارہ سنبھلنے کا تصور موجودہ دور میں برسرِ کار رہا ہے۔ اس بات کا جائزہ لینے کے لیے بہت سا تنقیدی وفکری کام ہوا ہے کہ کیا خرابی پیدا ہوئی؟ اور مسلم دنیا کیسے دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کرسکتی ہے؟ اس مناسبت سے اپنی اخلاقی اور نظریاتی ساکھ اور بنیاد کی تلاش اس جدوجہد کا ایک حصّہ ہے۔[۳]

اسلام ایک آفاقی دین ہے اور امت مسلمہ ایک عالم گیر برادری ہے۔ ایمان اس کی بنیاد ہے، اور یہی ایمان مسلم امہ کی عالم گیر حیثیت کا تعیّن کرتا ہے۔ یہی توحید کائنات کی، انسانیت کی اور زندگی کی وحدت (Unity) اور قانون کے آفاقی ہونے پر دلیل ہے۔ اسلام کسی خاص قوم، لسانی یا علاقائی نسلی گروہ یا کسی خاص سماجی و معاشی طبقے کا دین نہیں ہے۔ اسی طرح اسلام ایک نیا دین پیش کرنے کا دعوے دار نہیں ہے، بلکہ اس کے مطابق یہ رہنمائی ہے جو خالق نے اپنے انبیا علیہم السلام کے ذریعے تخلیق انسان کے اول روز سے بہم پہنچائی ہے۔ تمام انبیا علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کا مذہب (دین) اسلام ہی تھا۔

مسلمان حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام کے لغوی معنی 'امن' اور 'سلامتی' کے ہیں۔ یہ اللہ کے واحد معبُود ہونے اور اس کی بندگی کرنے اور اس کے انبیاؑ پر ایمان لانے کا داعی ہے، جن کی زندگی اعلیٰ ترین نمونہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایت کے مطابق انسان کی مکمل سپردگی اور پیروی کا نام ہے۔ اسی طرح شریعت کچھ اقدار، اخلاقیات اور قوانین کے مجموعے کا نام ہے جو اسلامی طرزِ زندگی کی تشکیل کرتی ہے۔

اسلام، ہر فرد کے اختیار کی آزادی پر یقین رکھتا ہے۔ عقیدہ و مذہب کے معاملے میں کسی زور زبردستی کی اجازت نہیں دیتا۔[۴] یہ انسانیت کے لیے ثقافتی لحاظ سے اور حقیقی طور پر تکثیریت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کرنا اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ اسلام، انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں: ایمان، عبادت، شخصیت اور کردار، فرد اور معاشرہ، معیشت اور معاشرت، قومی اور بین الاقوامی معاملات سے متعلّق ہے۔ پھر اسلام غیر مذہبی معاملات

لامحدود مواقع فراہم کرتے ہیں۔ مقابلے و تعاون کے لیے جو ادارہ سب سے بنیادی اہمیت اور انفرادیت کا حامل ہے، وہ خاندان ہے۔ مزید برآں معاشرہ مقامی، قومی، علاقائی اور عالم گیر سطح کے اداروں کے ایک جال کے ذریعے ہر انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ بین الانسانی رشتوں، اعلیٰ ترین معاشی و سماجی شراکت کا ایک ماڈل پیش کریں۔ رسول کریمؐ نے پوری انسانیت کو عیال اللّٰہ (اللّٰہ کا کنبہ) فرمایا۔

۶- **شفقت، ہمدردی (Compassion)**: اسلامی تناظر میں شفقت و ہمدردی اور عدل و احسان کا حسین امتزاج ہے۔ عدل کا مطلب تمام معاملات میں انصاف ہے اور اس سے مراد ہر ایک کو اس کا حق دینا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام اور ان حقوق کو پورا کرنا ہے۔ 'احسان' کا درجہ 'عدل' سے بھی اوپر ہے۔ اس سے مراد فیاضی، فضیلت، بہت اچھے طریقے سے کسی کام کو سرانجام دینا، رحم، محبت اور قربانی کے جذبے اور عمل میں ترقی ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ جو انسان اپنے لیے پسند کرتا ہے اس سے بڑھ کر دوسروں کے لیے پسند کرے۔ یہ برابری کی وہ سطح ہے کہ جس پر باہم معاملات کرنے (reciprocity) سے بھی بڑھ جانا، یعنی دوسروں سے ہم وہ توقع کریں جو وہ ہم سے توقع کرتے ہیں۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ہر شخص دوسرے کی بہتری کے لیے اپنے حقوق کی قربانی دے دے۔ اطالوی ماہر معاشیات ولفریڈو پاریٹو (م: ۱۹۲۳ء) کا نظریہ انسانی چناؤ (choice) کے اونچے درجے کے حصول کی راہ ہموار کرتا ہے۔ یوں 'عدل' کے ساتھ 'احسان' مل کر اسلام کے حقیقی شفقت کے نظریے کی عکاسی کرتے ہیں۔

۷- **بقاے باہمی (Coexistence)**: اس کا مطلب ہے آزادی، برداشت، باہمی احترام اور مل جل کر رہنے کا عہد۔ یہ صحیح تکثیریت (plurality) ہے جہاں اپنی پسندیدگی کی قربانی دیے بغیر اور صحیح بات کے ساتھ اپنی وابستگی کو قائم رکھتے ہوئے اختلاف (diversty) کو قبول کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے 'تکثیریت' دیانت داری کے ساتھ ہو اور اس سے ایسا باہمی میل جول وجود میں آتا ہے جو بغیر کسی کو نیچا دکھائے، برتری جتلائے یا آمرانہ طور پر اپنی بات منوائے۔ یہ نمونہ افراد، گروہوں، قوموں، ریاستوں، علاقوں، آبادیوں، اور مذاہب اور نظریات سب کے لیے قابل قبول ہو۔ اس کا فطری نتیجہ مکالمہ ہے نہ کہ زبردستی یا بے جا مداخلت۔ صحیح اختلافات اور تنوع اس

فریم ورک کا مقصد ہیں۔ جس میں بہت سی لچک ہوسکتی ہے اور باہمی طور پر اپنے بنیادی اصولوں پر سمجھوتہ کیے بغیر کچھ لو اور دو (Give and Take) ہوسکتا ہے۔ بقاے باہمی کا یہ بھی تصور ہے کہ معاشرے میں ایسے مؤثر طریقے ہوں جو آپس میں مل جل کر رہنے اور اختلافات اور جھگڑوں کو حل کرنے کے قابل ہوں اور تمام اختلافات کے باوجود باہم مل کر رہنے کا عہد ہو۔ یہی عدل اور آزادی کے ساتھ امن کا ایک ماڈل ہوسکتا ہے۔

یہ تمام حکمت عملیاں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔ اسلامی تناظر میں دونوں پالیسیاں بیک وقت اختیار کی جاسکتی ہیں۔ ایک کو دوسرے کا حصّہ بنا کر اخلاقی اقدار، زری و مالی ترغیب، مادی انعام اور سزا، ایثار، قربانی، ہمدردی، روایت و رسم، عوامی آرا، معاشرتی ادارے، قانون اور ریاست تمام اپنا لازمی لیکن محدود کردار ادا کرتے ہیں۔ حقوق اور ذمہ داریوں کا تعیّن اپنی ذات کے اندر سے نافذ کرنے والے عمل مسلم معاشرے کے بنیادی ستون ہیں۔ صرف جامع اور باہم، زیادہ مربوط طریقے سے ہی ایک عادلانہ و باہم مربوط اور ایک دوسرے کو تقویت دینے والا معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

آزاد نظریے کے مغربی نمونے میں مرکزی ہدف آزادی ہے اور اس معاشرت کی ہر شے اسی کے گرد گردش کرتی اور اس سے نکلتی ہے۔ اسلامی نظریے میں آزادی، عدل، یکجہتی اس کے اہم ترین کردار ہیں۔ 'عدل' کے معنی توازن اور مطابقت کے بھی ہیں۔ ان تینوں کو الگ نہیں کیا جاسکتا اور یہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، اور ان کے باہم ملنے سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر انسانی ذہانت (human genius) حقیقی طور پر بارآور ہوتی ہے۔ یہ چیز اسلامی نظریے کو منفرد بناتی ہے۔

اسلام دوسرے الہامی مذاہب کی طرح ایک اور بہت ہی اہم پہلو کو اپنے طریق کار (strategy) کی کہکشاں میں شامل کرتا ہے، اور وہ یہ کہ آخری انعام تو آنے والی زندگی میں ملنے والا ہے۔ مادی دولت مندی، سماجی بھلائی، روحانی مسرت اور ہمیشہ کی سلامتی، کامیابی وفلاح کے ماڈل کے متفرق پہلو ہیں۔ روحانی اور مادی پہلو ایک ہی تصورِ حیات کے دو رُخ ہیں۔ زندگی ایک نامیاتی کل ہے۔ موت زندگی کا اختتام نہیں، بلکہ زندگی کے ایک نئے دور کے نقطۂ آغاز کو ظاہر کرتی ہے۔ زندگی اور زندگی بعد الموت ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ دنیا میں انسان کی حیثیت اور

ہرمرد وعورت کا ایک دوسرے کے ساتھ اور کائنات کے ساتھ تعلّق بہت منفرد اہمیّت کا حامل ہے۔ بامقصد انسانی منزل کے کلی نظریے مین لادینی (سیکولرازم) اور تقدیس ایک دوسرے میں گم ہوجاتے ہیں۔ ماورا کی حدود انسانی پہنچ میں آجاتی ہیں۔ یہ چیز نظام کو یکتا (منفرد) بناتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلام کا کسی دوسرے 'ازم'، (Ism) کے ساتھ موازنہ کیا جائے اور اس میں سے کسی اور نظام کو تلاش کیا جائے، تاہم یہ ممکن ہے کہ مختلف ازم اور اسلام اکٹھے رہ سکتے ہیں اور اپنی حیثیت برقرار رکھ سکتے ہیں۔ آپس میں مقابلہ وتعاون کرسکتے ہیں اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لیے کام کرسکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱- ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۰، اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ص ۱۵۶-۱۶۰۔

۲- ابراہام ادوویچ، *The Islamic Middle East 700-1900*، ڈارون پریس، ۱۹۸۱ء، تھامس آرنلڈ، اورالفریڈ گولیوم، *The Legacy of Islam*، اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۳۱ء، ص ۱۰۰-۱۰۶۔

۳- محمد عمر چھاپرا، *Islam and the Economic Challenge*، دی اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر، ۱۹۹۲ء۔ محمد عمر چھاپرا، *Future of Economics*، ۲۰۰۰ء۔ محمد نجات اللہ صدیقی، *Muslim Economic Thinking*، دی اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر، ۱۹۸۱ء۔ پروفیسر خورشید احمد، *Islamic Approach to Development*، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء۔

۴- البقرہ ۲:۲۵۶، ۲:۳۸، ۳۹، مریم ۱۹:۱۳، المائدہ ۵:۴۸۔

۵- ابوحامد الغزالی، المصطفٰی، بحوالہ محمد عمر چھاپرا، *Future of Economics*، ص ۱۱۸۔

۶- محمد عمر چھاپرا، اسلامک اکنامک تھاٹ اینڈ دی نیوگلوبل اکانومی، *Islmic Economic Studies*، ستمبر ۲۰۰۱ء، ص ۸۔

۷- لسٹر تھرو، *The Future of Capitalism*، نکولس بریلی، لندن، ۱۹۸۶ء، ص ۳۰۔

۸- محمد عمر چھاپرا، اسلامک اکنامک تھاٹ اینڈ دی نیوگلوبل اکانومی، ص ۷۔

۹- آغا خان فاؤنڈیشن، *Philanthrophy in Pakistan*، ۱۹۸۸ء، ص ۴۶۔

۱۰- محمد عمر چھاپرا، *Future of Economics*، ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

۱۱- پال کینیڈی، *The Rise and Fall of Great Power*، ۱۹۸۷ء، ص ۶۸۹۔

۱۲- جارج سوروس، *The Crisis of Global Capitalism*، ناشر: لٹل براؤن کمپنی، لندن، ۱۹۹۸ء۔

۱۳- ڈنگ جان، *The Moral Imperatives of Global Capitalism*، پہلا باب۔